

حضرت ابراہیم علیہ

قرآنی

آج سے چار ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ عراق کی سرزمین میں ایک شخص پیدا ہوا تھا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسانی تاریخ پر اپنا ایک مستقل نشان چھوڑ گیا ہے جس زمانے میں اس نے آنکھیں کھولیں اس وقت تمام دنیا شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھی جس قوم میں وہ پیدا ہوا وہ ایک ستارہ پرست قوم تھی، چاند سورج اور دوسرے سیارے اس کے خدا تھے اور شاہی خاندان انہی خداؤں کی اولاد ہونے کی حیثیت سے اہل ملک کا رب مانا جاتا تھا۔ جس خاندان میں وہ پیدا ہوا وہ پرہیزگاروں کا خاندان تھا اور اپنی قوم کو ستارہ پرستی کے جال میں پھانسنے رکھنے کا اصل ذمہ دار وہی تھا۔

ایسے زمانے، ایسی قوم، اور ایسے خاندان میں یہ شخص پیدا ہوا۔ دنیا کی عام روش پر چلنے والا ہوتا تو وہ بھی اسی راستے پر جاتا جس پر اس کے خاندان کے لوگ، اس کے ملک کے لوگ اور اس کے زمانے کے لوگ چلے جا رہے تھے۔ کوئی ایسی روشی بظاہر اس وقت دنیا میں کہیں موجود بھی نہ تھی جو کسی دوسرے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والی ہو۔ اور اس کے ذاتی و خاندانی مفاد کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ کسی اور راستے کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لاتا، کیونکہ اس کے خاندان کی مذہبی دوکان تو اسی ستارہ پرستی کے بل پر زور شور سے چل رہی تھی۔ لیکن وہ اُن انسانوں میں سے نہ تھا جو بے شعور حس و خاشاک کی طرح اسی رخ پر اڑنے لگتے ہیں جدھر کی ہوا ہو۔ وہ موردی تعصب کی بنا پر باپ دادا اور قوم کے طریقے کو بے چون و چرا قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس نے ہوش سنبھالتے ہی یہ تحقیق کرنا ضروری سمجھا کہ جن عقیدوں اور اصولوں پر اس کے بزرگوں نے اور اس کی ساری قوم نے اپنی زندگی کی عمارت قائم کر رکھی ہے وہ بجائے خود صحیح بھی ہیں یا نہیں۔ اس آزمادہ تحقیقات کے سلسلے میں اس نے سورج، چاند، زہرہ اور ان سب معبودوں پر نگاہ ڈالی جن کی خداؤں کے پرچے وہ بچپن سے سنتا آیا تھا۔ ایک ایک

کو جانچ کر دیکھا کہ اس پر خدائی کا لگان کہاں تک سچا ہے۔ اور آخر کار یہ بے لاگ راستے قائم کی کہ وہاں یہ سب بندے ہیں، خدائی صرف اُس ایک ہستی کی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔

پھر جب یہ حقیقت اس پر منکشف ہو گئی تو اس نے اُن لوگوں کی سی روش اختیار نہیں کی جو ایک بات کو مخفی جاننے اور سمجھنے کے باوجود اسے قبول نہیں کرتے۔ اس نے حق کو مخفی جاننے کے بعد اسے مانتے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہ کی۔ خود اقرار کیا کہ ”میں جھک گیا اُس خدا کے آگے جو زمین اور آسمانوں کا خالق ہے“ اور اس اقرار کے ساتھ اپنی برادری اور قوم کے سامنے یہ اعلان بھی کر دیا کہ میرا راستہ تم سے الگ ہے، میں اس شرک اور بت پرستی میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں۔ یہ اس شخص کی پہلی قربانی تھی۔ یہ پہلی چھری تھی جو اس نے باپ دادا کی اندھنی تقلید پر، خاندانی اور قومی تعصبات پر، اور نفس کی ان تمام کمزوریوں پر پھیر دی جن کی وجہ سے آدمی اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف ایک راستے پر صرف اس لئے چلتا رہتا ہے کہ برادری اور قوم اور دنیا اسی پر چلی جا رہی ہے۔

اس اقرار اور اعلان کے بعد یہ شخص خاموش نہیں بیٹھ گیا۔ اس پر یہ حقیقت کھل گئی تھی کہ کائنات کی اصل حقیقت تو حید ہے اور شرک سراسر ایک بے بنیاد چیز ہے۔ اس حقیقت کو جان لینے کے بعد وہ خود ہی یہ بھی جان گیا تھا کہ وہ سب انسان جو توحید کے بجائے شرک کے عقیدوں اور شرک کا اصولوں پر اپنے مذہب، اخلاق اور تمدن کی عمارت قائم کیے ہوئے ہیں انہوں نے دراصل ایک ایسی شاخ نازک پر آشیانہ بنا رکھا ہے جو سخت ناپائیدار ہے۔ اس احساس نے اُس کو بے چین کر دیا۔ وہ پورے احساس فرض کے ساتھ کھڑا ہو گیا کہ اپنی قوم کو شرک سے روکے اور توحید کی طرف دعوت دے۔ اسے معلوم تھا کہ قومی مذہب کے خلاف اس طرح کی علانیہ تبلیغ کر کے وہ خود پر دست کی گدی سے محروم ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا خاندان اگر قومی مذہب سے پھر گیا تو وہ ساری وجاہت ختم ہو جائے گی جو اسے ملک میں حاصل ہے۔ اس کو یہ بھی خبر تھی کہ اس تبلیغ کی وجہ سے ساری قوم کا غصہ اس پر پھڑک اُٹھے گا۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھا کہ یہ تبلیغ اسے حکومت کے عتاب میں مبتلا کر دے گی کیونکہ شاہی خاندان کے اقتدار کی بنیاد ہی وہاں یہ عقیدہ تھا کہ وہ

دیوتاؤں کی اولاد ہے اور اس بنا پر توحید کی دعوت لازماً حکومت کے بنیادی نظریے سے ٹکراتی تھی۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود وہ اپنا فرض ادا کرنے کے لیے اٹھا، اپنے باپ کو، اپنے خاندان کو، اپنی قوم کو اور بادشاہ تک کو اس نے ٹرک سے باز آنے اور توحید کا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دی، اور جتنی زیادہ اس کی مخالفت کی گئی اتنی ہی زیادہ اس کی سرگرمی بڑھتی چلی گئی۔ آخر کار ذمہ داری یہ آگئی کہ ایک طرف وہ تن تنہا انسان تھا اور دوسری طرف اس کے مقابلہ میں بادشاہ، ملک، برادری، خاندان جتنی کہ اس کا اپنا باپ تک صف آرا تھا۔ اب پورے ملک میں کوئی اس کا دوست نہ تھا۔ ہر طرف دشمن ہی دشمن تھے ایک بھروسے کی آواز بھی اس کے حق میں اٹھنے والی نہ تھی۔ اس پر بھی جب اس نے ہمت نہ ہاری اور توحید کی دعوت پیش کرنے سے اس کی زبان نہ تھکی تو فیصلہ کیا گیا کہ برسرِ عام اسے زندہ جلا دیا جائے۔ مگر اس ہولناک سزا کا خوف بھی اسے باطل کو باطل اور حق کو حق کہنے سے باز نہ رکھ سکا۔ اس نے آگ کے الاؤ میں جھینکا جانا گوارا کر لیا مگر یہ گوارا نہ کیا کہ جس حقیقت پر وہ ایمان لایا تھا اس سے پھر جائے اور اسے حقیقت کہنا چھوڑے۔ یہ اس کی دوسری عظیم الشان قربانی تھی۔

نہ معلوم کس طرح خدا نے اسے آگ میں جلنے سے بچایا۔ اس خطرے سے بچیریت گذر جانے کے بعد اس کے لئے ملک میں ٹھیرنا غیر ممکن تھا۔ آخر کار اس نے جلاوطنی کی زندگی اختیار کی۔ اس پاس کے سارے ملک جن میں وہ جاسکتا تھا اس وقت بت پرست تھے۔ کہیں کوئی ایسی چھوٹی سے چھوٹی برادری یا سوسائٹی بھی موجود نہ تھی جو توحید کی قائل ہوتی، جس کے پاس وہ پناہ لے کر امن کی زندگی پاسکتا۔ اس حالت میں امن پانے کی صرف یہی ایک صورت ممکن تھی کہ وہ اپنے ملک سے نکل جانے کے بعد دعوت توحید سے زبان بند کر لیتا۔ انفرادی طور پر اگر ایک اجنبی آدمی کسی مذہب کا پیرو ہو تو دوسرے ملکوں کو اسے خواہ مخواہ چھڑنے کی تکلیف کیوں کرنے لگے تھے۔ بلکہ انہیں یہ معلوم ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس کا مذہب کیا ہے۔ مگر یہ خدا کا بندہ دوسرے ملکوں میں بھی جا کر خاموش نہ رہا۔ جہاں بھی گیا اس نے خدا کے سب بندوں کو یہی دعوت دی کہ دوسروں کی بندگی چھوڑو اور صرف اسی ایک خدا کے بندے بن کر رہو جو حقیقت میں تمہارا خدا ہے۔ اس تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے ملک سے نکل کر بھی اسے کہیں چین سے

بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ کبھی شام میں ہے تو کبھی مسطین میں، کبھی مصر میں ہے تو کبھی حجاز میں۔ غرض ساری عمر
یہی ملک ملک کی خاک چھانتے گزر گئی۔ اس کو آرام کے ٹھکانے کی طلب نہ تھی۔ اس کو گھر اور کھیت
اور بریشی اور کاروبار کی طلب نہ تھی۔ اس کو دنیا کے عیش اور زندگی کے سر و سامان کی طلب نہ تھی۔ اسے
صرف اس چیز کی طلب تھی کہ جس حق پر وہ ایمان لایا ہے اس کا کلمہ بلند ہو اور اس کے بنی نوع گمراہی کو
چھوڑ کر اس سیدھی راہ پر چلنے لگیں جس میں ان کا اپنا بھلا ہے۔ یہی طلب اسے جگہ جگہ بے پھرتی تھی اور
اسی طلب کے پیچھے اس نے اپنے ہر مفاد کو تھج دیا۔ یہ اس کی تیری قربانی تھی۔

اس خانہ بدوشی اور بے سر و سامانی کے عالم میں پھرے پھرتے جب عمر تمام ہونے کو آئی تو خدا نے اسے
ایک بیٹا دیا۔ اس بچے کو پالا پوسا۔ بہان تک کہ وہ اس عمر کو پہنچا جب اولاد والدین کے کاموں میں ان
کا ہاتھ بٹننے اور زندگی کی دوش و دھوپ میں ان کا ساتھ دینے کے قابل ہوتی ہے۔ بیٹا اور وہ بھی اکلوتا
بیٹا پھر عصفور بن شباب کو پہنچا ہوا، اور باپ زندگی کے اُس مرحلے میں جبکہ آدمی جوان اولاد کے سہاے
کا سب سے بڑا محتاج ہوتا ہے۔ ہر شخص اس صورت حال کا تصور کر کے اندازہ کر سکتا ہے کہ اس باپ کو
وہ بیٹا کیسا کچھ عزیز ہوگا۔ مگر مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ اسے خدا اور اس کی مرضی سے بڑھ کر کوئی چیز
بھی عزیز نہ ہو۔ اس لیے وہ ساری قربانیاں بھی کافئی نہ سمجھی گئیں جو یہ بندہ اپنے خدا کے لئے ساری عمر کرتا
سہا تھا۔ ان سب کے بعد اس کا آخری امتحان لینا ضروری سمجھا گیا اور وہ یہ تھا کہ یہ بندہ مسلم اپنے اس
عزیز ترین بیٹے کی محبت کو بھی خدا کی محبت پر قربان کر سکتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ یہ امتحان بھی سنے ڈالا گیا اور
دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ بڑھا انسان اپنے خدا کا صریح حکم نہیں محض ایک اشارہ پانتے ہی اکلوتے نوجوان
بیٹے کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ خدا نے عین ذبح کے وقت ڈر کے
کی جگہ مینڈھے کو قبول کر لیا، کیونکہ خدا کو ڈر کے کا خون مطلوب نہ تھا، محض محبت کی آزمائش مقصود تھی،
لیکن اس سچے مسلمان نے اپنی نیت کی حد تک تو اپنا تخت جگہ اپنے خدا کے اشارے پر قربان کر ہی دیا
تھا۔ یہ تھی وہ آخری اور سب سے بڑی قربانی جسے اس شخص نے اپنے اسلام اور ایمان اور خدا کے ساتھ
اپنی وفاداری کے ثبوت میں پیش کیا تھا۔ اسی کے صلے میں خدا نے اسے تمام دنیا کے انسانوں کا امام بنایا

اور اپنی دوستی کے مرتبے پر سرفراز کیا۔

آپ سیکھے کیے کس شخص کا ذکر ہے؟ یہ اس ذاتِ گرامی کا ذکر ہے جسے آج ہم سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام جانتے ہیں۔ اور یہی وہ قرآنی ہے جس کی یادگار آج دنیا بھر کے مسلمان جانوروں کی قرآنی کر کے مناتے ہیں۔ اس یادگار کے منانے کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان کے اندر قرآنی کی وہی روح اسلام و ایمان کی وہی کیفیت اور خدا کے ساتھ محبت و وفاداری کی وہی شان پیدا ہو جس کا مظاہرہ حضرت ابراہیم نے اپنی پوری زندگی میں کیا ہے۔ اگر کوئی شخص محض ایک جانور کے گلے پر پھری پھیرتا ہے اور اس کا دل اس روح سے خالی رہتا ہے تو وہ ناخوش ایک جاندار کا خون بہاتا ہے۔ خدا کو اس کے خون اور گوشت کی کوئی حاجت نہیں۔ وہاں تو جو چیز مطلوب ہے وہ دراصل یہ ہے کہ جو شخص کلہ لالہ اللہ اللہ پر ایمان لائے وہ مکمل طور پر بندہ حق بن کر رہے۔ کوئی تعصب، کوئی دلچسپی، کوئی ذاتی مفاد، کوئی دباؤ اور لالچ، کوئی خوف اور نقصان، غرض کوئی اندوہ کی کمزوری اور باہر کی طاقت اس کو حق کے راستے سے نہ ہٹا سکے۔ وہ خدا کی بندگی کا اقرار کرنے کے بعد پھر کسی دوسری چیز کی بندگی قبول نہ کرے۔ اس کے لئے ہر تعلق کو قربان کر دینا آسان ہو مگر اس تعلق کو قربان کرنا کسی طرح ممکن نہ ہو جو اس نے اپنے خدا سے قائم کیا ہے۔ یہی قرآنی اسلام کی اصل حقیقت ہے اور آج ہر زمانے سے بڑھ کر ہم اس کے محتاج ہیں کہ حقیقت ہماری سیرتوں میں پیوست ہو۔ مسلمانوں نے جب کبھی دنیا میں چوٹ کھائی ہے اسلام کی اسی حقیقت سے خالی ہو کر کھائی ہے۔

اکتوبر ۱۹۷۶ء